حسرتِ استشراق واستعمار: خورشید ندیم اور عمار ناصر کی پریشاں خیالی

تحریر: کاشف علی خان شیر وانی

روزنامہ 'دنیا' (۳۰ جولائی / ۲۰۱۶ء) میں خورشید احمد ندیم صاحب کا ایک کالم بعنوان 'جمہوریت اور مسلم سماج' شائع ہوا ہے، جس میں انہوں نے پوری اسلامی روایت کو یک جنبش قلم 'آمرانہ'، غیر جمہوری، شخصیت پرست یعنی استبدادی قرار دیا ہے۔ اہل نظر کو معلوم ہے کہ دراصل ہیگل نے مشرق کو بنیادی طور پر "استبدادی" قرار دیا تھا(۱)، اور اس کے بعد تمام مستشرقین نے اس عقیدے کو دانتوں سے پکڑا ہوا ہے۔ ایڈورڈ سعید نے ہیگل سے شروع ہونے والی اس روایت کو استشراق کے بنیادی خصائص میں شمار کیا ہے۔ اس تنقید کے بعد اب اہل علم مشرق کو "استبداد" سے جوڑتے ہوئے بہت شرماتے ہیں۔ لیکن خورشید احمد ندیم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ بے خبری بھی تو ایک نعمت ہوتی ہے! چونکہ خورشید احمد ندیم کو اس کی کوئی خبر نہیں ہے، لہذا ان پر استشراق کی تہمت ہرگز نہیں لگائی جا سکتی۔ لیکن یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جدید اسلام کا سرمایۂ علم دراصل ایک کشکول ہے جس میں مستشرقین کے کھوٹے سکوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔

سو خورشید احمد ندیم نے اسلامی روایت کا استبدادی 'مائنڈ سیٹ' حتمی طور پر طے کر دیا ہے۔ ان کی نظر میں محض حضرت امام ابو حنیفہؒ کی شخصیت مستثنیٰ ہے، جنہوں نے 'اجتماعی دانش کو بروئے کار لانے کے لئے پہلی بار ادارہ بنایا'۔ عمار ناصر صاحب نے اپنے فیس بک صفحے پر خورشید ندیم صاحب کے بنیادی مقدمے کی تائید فرمائی، مگر ساتھ ہی یہ تصحیح بھی فرمائی کہ مسلم روایت کی اس آمرانہ روش میں کوئی استثنا نہیں۔ عمار صاحب لکھتے ہیں:

> خورشید ندیم نے ڈھونڈ ڈھانڈ کر اسلامی تاریخ میں اجتماعی دانش کو بروئے کار لانے کی جو 'واحد استثنائی' مثال پیش کی ہے، اس کا حال بھی اس بحث میں دیکھا جا سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے علاوہ ان کے حلقے کے دوسرے فقہاء کے اقوال، فقہ حنفی کا حصہ ہیں بھی یا نہیں؟

جیسا کہ اقتباس سے واضح ہے، عمار ناصر صاحب نے خورشید ندیم صاحب سے ایک قدم آگے بڑھایا ہے۔ خورشید احمد ندیم نے تو ایک مشاق صحافی کی طرح پاکستان میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مقام کا لحاظ کیا ہے، تاکہ استشراق کی جو کڑوی گولی وہ پاکستانیوں کے گلے میں اتارنا چاہتے ہیں، اس پر حنفیت کی شکر چڑھا دیں۔ لیکن عمار خان ناصر صاحب حق پرست ہیں، دوئی پسند نہیں ہیں، خالص جدیدیت اور خالص استشراق کے مبلغ ہیں۔ چنانچہ انہوں نے حنفی مذہب کے تطور کی اجتماعی حرکیات ہی کا انکار کر دیا ہے، اور یوں خورشید ندیم صاحب کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ گویا بقول شاعر:

واعظ دلیل لائے جو مے کے جواز میں
اقبال کو یہ ضد ہے کہ پینا بھی چھوڑ دے

توقع رکھنی چاہیے کہ فکر فراہی کا کوئی چشم و چراغ اس 'آمرانہ رجحان' کی بنیادیں تابعین و تبع تابعین کی بجائے عہد صحابہ میں ڈھونڈنے کی کوشش ضرور کرے گا۔ متجددین کے ہاں ایسی جسارت کوئی اجنبی شے نہیں۔ ڈاکٹر فضل الرحمان کے نزدیک، مسلمانوں میں جمہوری اداروں کے فقدان کا ایک بڑا سبب اسلام کا دور اولیں ہے۔ ان کا خیال ہے کہ صحابہ اور ان سے اگلی نسل شوریٰ کے قرآنی اصول کو ادارتی شکل نہ دے سکے۔ ڈاکٹر صاحب بہرحال مسلم سیاسی تاریخ کو مطلقاً استبدادی کہنے سے گریز کرتے ہیں۔ اسلام کی مذہبی، سیاسی اور معاشرتی زندگی میں استبداد کو مرکزی حیثیت دینے کی سعادت اور بیباکی عمار ناصر صاحب ہی کے لئے مقدر تھی، جیسے عمار ناصر صاحب اور خورشید ندیم صاحب کے مقابل امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ان کے مذہب کا دفاع پروفیسر محمد مشتاق صاحب کے لیے مقدر ہوتا تھا۔ پروفیسر محمد مشتاق صاحب نے اپنے فیس بک صفحے پر عمار صاحب کے اس موقف کی موثر تردید فرمائی ہے۔ آپ کا تبصرہ پیش خدمت ہے:

> خورشید ندیم صاحب کو نہ فقہ کی سمجھ ہے اور نہ اس کے اصول اور حرکیات کی۔ اس لیے اگر وہ ایسے sweeping statements دیں تو بات سمجھ میں آتی ہے لیکن جب اسے عمار صاحب جیسے صاحبِ علم کی آشیرباد بھی مل جائے تو پھر حیرت بھی ہوتی ہے اور افسوس بھی۔ فقہ چاہے حنفی مذہب کی ہو یا کسی اور مذہب کی، وجود میں آئی ہے اجتماعی کاوش سے۔ حنفی مذہب میں مثال کے طور پر یہ اجتماعی کاوش صرف امام کے سامنے نہیں بلکہ ان کے بعد بھی ہوتی رہی۔ چناں چہ بعد کے ادوار میں بھی اصول یہ طے پایا کہ بات امام ابو حنیفہ کی رائے کی نہیں ہے بلکہ امام اور صاحبین کے اختلاف میں ، یا امام کی مختلف آرا اور دیگر اصحاب کی آرا میں جب "مشائخ" کسی ایک رائے کا انتخاب کر لیتے ہیں تو وہ "مذہب" بن جاتا ہے۔ فقہ شافعی میں بھی اسی طرح کا معاملہ ہے۔ اور تو اور فقہ حنبلی بھی اسی طور پر بنی ہے۔ مجھے جمہوریت اور آمریت کے اس مخصوص تصور سے کوئی دل چسپی نہیں ہے لیکن اس بحث میں خواہ مخواہ فقہ و فقہاے کرام کو گھسیٹ لانے پر بہرحال اعتراض ہے۔

پروفیسر مشتاق صاحب نے اسلامی فقہی روایت کی تاریخ سے استدلال کیا ہے اور عمار ناصر صاحب پر بالکل درست تنقید فرمائی ہے۔ پروفیسر صاحب کا تبصرہ اسلامی فقہی مذاہب کے ارتقا کے بارے میں بالعموم اور حنفی مذہب کی حرکیات کے بارے میں بالخصوص ان کی بصیرت کا پتہ دیتا ہے۔ آپ کا موقف ہے کہ ہماری فقہی روایت میں 'آمریت' کا شائبہ تک نہیں اور یہ کہ تمام فقہی مذاہب اجتماعی دانش کا نتیجہ ہیں۔ اب ذرا عمار ناصر صاحب کا جواب ملاحظہ فرمایئے۔

ابھی آپ کا تبصرہ نظر نواز ہوا۔ میرے خیال میں سوپنگ سٹیٹ منٹ کی طرح over sensitivity بھی اچھی چیز نہیں۔ ہماری فقہی روایت اجتماعی کاوشوں سے ہی بنی ہے، خاص طور پر فقہ حنفی، اس پر آپ کی وضاحت بالکل بجا ہے۔ نیز بحث وتنقیح کے بعد ایک خاص مرحلے میں جا کر حنفی فقہا کا عمومی مذہب کوئی ایک قول قرار پائے، یہ بھی عین جمہوری رویہ ہے۔ میرا تبصرہ تو اس خاص ذہنی رویے پر تھا جس کے مطابق اس بحث ومباحثہ کی اہمیت ثانوی ہے، کیونکہ مذہب حنفی تو اصولاً صرف امام ابو حنیفہ کے اقوال کا نام ہے۔

عمار ناصر صاحب کا یہ جواب بہر حال خاصے کی چیز ہے۔ آپ نے پروفیسر صاحب کی بات کی مکمل تائید فرمائی مگر آخری جملے میں، کوئی دلیل دیے بغیر، اپنا موقف پھر دہرا دیا، جس پر پروفیسر صاحب نے نقد کیا تھا۔ حیرت ہے کہ یہ جملہ لکھتے ہوئے وہ بالکل بھول گئے کہ اپنی تحریر کے ابتدائی حصے میں وہ پروفیسر صاحب کی بات کی مکمل تائید فرما چکے ہیں۔ چنانچہ عمار صاحب کا جواب اجتماع ضدین کی بہترین مثال ہے۔ اب اس پر مشتاق صاحب کا جواب الجواب ملاحظہ فرمایئے۔

آپ کی وضاحت قبول ہے، حضور! میں نے حد سے زیادہ حساسیت کا اظہار نہیں کیا لیکن ہر معاملے میں "خواہ مخواہ" بھی اور "خامخا" بھی فقہاے کرام کو گھسیٹ کر لانے کی روش بہر حال قابلِ گرفت ہے۔ اس انداز سے دیکھیں تو کہنے والا یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ غامدی صاحب کا قطعی الدلالۃ کا اصول انتہا پسندی کو مہمیز فراہم کر رہا ہے کیوں کہ اس طرح وہ صرف ایک راے کو حتمی اور آخری حجت مان لیتے ہیں جس کے بعد کسی اور راے کے لیے کوئی گنجایش ہی نہیں رہتی۔ ظاہر ہے کہ ایسا کہنا over-simplification ہوگی کیوں کہ غامدی صاحب کے دوسرے اصول کسی طرح اس اصول کو balance کر دیتے ہیں۔ کیا ایسا ہی تھوڑا بہت allowance فقہاے کرام کو بھی نہیں دیا جاسکتا ؟ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ فقہ، بالخصوص حنفی فقہ، عباسی خلافت کے استحکام سے پہلے وجود میں آچکی تھی اور یہ بھی تاریخی طور پر مسلم ہے کہ امام ابو حنیفہ نے نہ صرف اپنے وقت کے دو عباسی خلفا بلکہ ان سے قبل کے اموی خلفا کے استبداد کے خلاف بھی منظم طریقے سے کام کیا۔ ایسے میں آمریت کے ڈانڈے فقہ سے ملانا کتنی غیر مناسب ہے اور وہ بھی کالم میں جس کے ذریعے عوام کی ذہن سازی کی جاتی ہے۔

یہ پروفیسر صاحب کی کریمی ہی ہے کہ انہوں نے عمار صاحب کے ساتھ رعایت برتی ہے اور مزید کریدنا مناسب نہیں سمجھا۔ تاہم یہ وضاحت ضرور فرما دی کہ ہمارے فقہا پر آمرانہ مزاج کا الزام بالکل بے بنیاد ہے، بلکہ یہ مبارک ہستیاں تو تمام عمر استبداد کے خلاف لڑتی رہی ہیں۔

پروفیسر مشتاق صاحب کی تنقید کا کمال یہ ہے کہ آپ نے نہایت خوبصورتی سے خورشید ندیم صاحب اور عمار ناصر صاحب کے بنیادی مقدمے ہی کو الٹ دیا ہے۔ اسلام کی فقہی روایت اس بات کی شاہد ہے کہ اجتماعی دانش کو بروئے کار لانے کے لئے 'ادارے' بنانا قطعاً ضروری نہیں۔ فقہا نے کسی 'منظم ادارہ جاتی بند و بست' کے بغیر عوام میں قبولیت بھی حاصل کی، اور اپنے زمانے کے بدترین حکومتی اور عقلی (تحریک اعتزال) استبداد کو بھی شکست دی۔ ابھی بادشاہ کو قوت کی (hierarchy) پر مشتمل جدید ادارے تعمیر کرنے کا خیال نہ آیا تھا۔ بقول اکبر الہ آبادی، افسوس کہ ابھی فرعون کو کالج کی نہ سوجھی تھی!

جدید 'ادارہ' دراصل طاقت کے ایسے نظام کو وجود میں لاتا ہے، جس میں انفرادی اور اجتماعی اذہان قوت کے عزائم کی تکمیل کے لئے بروئے کار آتے ہیں۔ یہاں آزادی فکر کا کیا کام! خدا کا شکر ہے کہ اپنی تشکیل اور استحکام کے دور میں ہماری فقہی روایت پر جدید ادارے کا سایہ نہیں پڑا۔ اسلامی روایت کو آج جس استبداد کا سامنا ہے، 'ادارہ' اسی استبداد کا ایک موثر آلہ ہے (۲)۔

یہاں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ خورشید ندیم صاحب کے تجدد اور اس سلسلے میں عمار ناصر صاحب کی انتہا پسندی کا مأخذ کیا ہے؟ ہماری گزارش ہے کہ اس مقدمے کی بنیادیں اصلاً استعماری ہیں یعنی یہ مقدمہ کہ مسلم معاشروں کی ایک ساخت ہے اور اپنی حقیقت میں وہ استبدادی ہے۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ تحریک تنویر سے منور یورپ کے بالمقابل ایک دیگر (Other) ہے، یعنی مشرق (Orient)۔ مشرق اپنی فطرت میں کاہل، نفسانی خواہشات کا اسیر، استبداد کا رسیا، تنگ نظر، توہمات کا شکار اور روح اجتہاد سے عاری ہے۔ یہی سبب ہے کہ مشرق کو استبدادی حکمران مطلوب ہیں۔ اس کی سیاست، مذہب اور معاشرہ، سب کی تعمیر استبداد پر ہوئی ہے۔ اس کی نہ کوئی تہذیب ہے اور نہ ہی تاریخ۔ مشرق کا ہر معاشرہ یہ جوہری (essential) خصائص رکھتا ہے۔ اسے مہذب بنانے اور اس میں روح اجتہاد، آزادی اور جمہوریت کی اقدار پیدا کرنے کے لئے، ایک استعماری آقا کی اشد ضرورت ہے۔ اس طرح اس ازلی غلام کا ذہن سیاسی و مذہبی استبداد سے آزاد ہو کر 'جمہوری' فضا میں سانس لے سکے گا۔ گذشتہ تین صدیوں سے مستشرقین مسلم معاشروں میں ان خیالات کی ترویج کرتے رہے ہیں۔ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ خورشید ندیم اور عمار ناصر کی صورت میں اب مقامی مستشرقین بھی وجود میں آ چکے ہیں۔ پروفیسر مشتاق صاحب اپنی فقہی روایت میں اجتماعی دانش کی کارفرمائی کی چاہے بیسیوں مثالیں دے دیں، ہمارا گمان مگر یہ ہے کہ عمار صاحب کے گرد لپٹی استعماری زرہ سے بمشکل ہی کچھ پار ہو سکے گا۔

* * *

حوالہ جات:

(۱)۔ دیکھیے:

G. W. F. Hegel, *The Philosophy of History* (New York: P. F. Collier & Son, 1902), pp. 163-166

(۲)۔ دیکھیے:

Herbert Marcuse, *One-Dimensional Man* (Boston: Beacon Press, 1964)

William A Whyte, *The Organization Man* (Philadelphia: University of Pennsylvania Press, 1956)